افسانوی ادب کے ترجمے کی مشکلات اور اُن کے حل کے لیے تکنیکی اصول

زاہرہ نثار

Abstract:

Translation is a difficult art. During translation, a translator try to produce all possibleimpactsthroughhisexpression,thinkingandevaluation.Translation`s content,subjectandstyleplaysavitalroleinvariousdifficultiesofatranslator.We candivideliterarytranslationsintothreemajorgroups.

1- Informative literary translations.

2- Culturaltranslations.

3- Pure literary or poetic translations.

Form of translation plays also an important role. Ritual, free style and creative translationsarethreemainformsoftranslation.Duringtranslation,therecomesa question what is untranslatable? Fiction translation based an culture thats why fictiontranslatorhavetofacedifficultiesof"Normalization"and"leveling".In leveling a translator identifies cultural, stylistic and ideological leveling. A translator also find difficulties during translation when source language and target language belongs to two different linguistic families. There come the challenge of" Channel capacity "for a translator. However, besides all these difficulties like rhythms, rhyming schemes, plays on words, unusual grammaticalstructureandnone-quivalentvocabularyanexperttranslatorcome upwiththembyhissoundvision,extraordinaryexperienceandknowledgeboth insourceandtargetlanguage.

تعارف:

ترجمہ خواہ کسی بھی شعبہ ہائے علم سے متعلق ہو، ایک مشکل فن ہے۔ مترجم اپنی تمام تر لیاقت صرف کرتے ہوئے زبانِ غیر میں پیش کردہ جذبات، خیالات اور تجزیات کے ابلاغ اور پھر اُن کی ترسیل کا فریضہ سرانجام دیتا

ہے۔ یہ بعینہ اس مثل کے مصداق ہے: ''زبان میری ہے بات اُن کی''۔ گویا ترجمہ راست اظہار نہیں بلکہ عکسِ اظہار ہے۔ اسی لیے بالعموم مترجم کی سعی کو نامشکور اور ترجمے کو اصل سے کم تر سمجھا جاتا ہے۔ حالاں کہ دورانِ ترجمہ ایک مترجم سماجی، قدرتی، حیاتیاتی اور اجتماعی علوم کے خارزار جنگل سے گزرتے ہوئے متعلقہ شعبہ علم کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے جو کارِ سہل نہیں بلکہ کارِ دشوار ہے۔ ترجمے کا موضوع، مواد اور اسلوب مترجم کی راہ میں اَن گنت رخنے ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔

ترجمہ مصنف کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر کر اُس کے خیال و فکر کے ابلاغ اور اپنی زبان میں منتقلی کا ایسا عمل ہے جو اصل کے اندازِ ترسیل، طرزِ بیان اور لب و لہجہ کے زیادہ سے زیادہ قریب رہتے ہوئے کیا جاتا ہے تا کہ زبانِ ہدف (Language Target) کی ممکنہ خصوصیات زبانِ منبع (Language Source) میں در آئیں۔ ترجمے کا مقصد بھی اختلافِ زبان کے باوجود اصل کے قریب ترین مفہوم پیش کرنا ہے۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد ترجمے اور ترجمانی میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ترجمے کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ صرف اصل عبارت کا درست لفظی ترجمہ ہو بلکہ مصنف کے نظریات ،معتقدات، تصورات اور احساسات کی صحیح ترجمانی بھی ہو۔ اصل متن کی روح اسی طریق سے برقرار رہ سکتی ہے۔ یہی ترجمانی ہے اور یہیں محض لفظی ترجمہ اور ترجمانی کا فرق واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ ترجمانی ترجمے سے دشوار تر اور نازک تر کام ہے۔''(۱)

مظفر علی سید نے ''فنِ ترجمہ کے اصولی مباحث'' میں لکھا ہے کہ عربی تعریف کے مطابق ترجمہ ''نقلِ کلام'' کو کہتے ہیں۔ نقلِ مطالب یا نقلِ معانی کو نہیں اور ''نقلِ کلام'' کا تقاضا یہی ہے کہ جس زبان میں نقل ہو جائے اس میں تقریباً ویسا ہی اثر پیدا ہو جیسا اصل زبان میں ہوا تھا اور یہ بھی لازم ہے کہ کلام سے مکالمے کی صورت پیدا ہو ورنہ ترجمے کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔(۲)

اقسامِ تراجم:

ہر شعبہ علم کی نوعیت مختلف ہونے کے سبب ترجمے کے ملحوظات جدا جدا ہیں۔ تاہم آسانی کی خاطر بہ لحاظِ مضمون اسے تین بنیادی اقسام میں بانٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ معلوماتی ادب (خالص علمی و سائنسی متون وغیرہ کے تراجم)

۲۔تہذیبی تراجم (افسانوں اور ناولوں وغیرہ کے تراجم)

۳۔ خالص ادبی یا جمالیاتی سطح کے تراجم (ادب بالخصوص شعری تراجم)

نوعیت کے اعتبار سے تین اقسام کے تراجم ملتے ہیں، پابند، آزاد اور تخلیقی۔ پابند ترجمے میں مترجم نظم/نثر کے اصل تاثر کے اظہار کے برعکس زبانِ ہدف کے مترادفات زبانِ منبع میں تلاش کرتا ہے۔ اس لیے پابند تراجم میں

اصل متن سے قربت شاذ ہی دکھائی دیتی ہے۔آزاد ترجمے میں زبانِ ہدف میں مترادفات کی تلاش کے برعکس زبانِ منبع میں تاثرات کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ترجمے کی تیسری صورت تخلیقی ترجمے کی ہے یہاں بھی مترجم سے بعداز ترجمہ اصل کا معانی ومفہوم اُجاگر کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے تاکہ تخلیق اور ترجمے میں فرق نہ کیا جا سکے۔ترجمے میں اصل کی خصوصیات برقرار رکھنا نہایت مشکل فن ہے۔متن سے وفاداری اسے ناہموار اور غیر دلکش بناتی ہے جب کہ روانی ودوانی کا عنصر پیدا کرنے سے ترجمہ اصل سے کہیں دور جا پہنچتا ہے۔اسی لیے ترجمے کے حوالے سے ایک متنازعہ جملہ بے حد مقبول ہے:

''Translations are like wome: when they are faithful they are not beautiful, when they arebeautiful they are not faithful'' 3

ترجمے کا قدیم وجدید انداز:

ترجمے کی اقسام اور نوعیت کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ جب ایک تحریر دوسری زبان کے ذخیرہ؟ الفاظ کا جامہ پہنتی ہے تو زبانِ منبع (LanguageSource) کن کن مراحل سے گزرتی ہے۔مترجم ان مشکلات ومسائل کو حل کرنے کے لیے کیا حکمتِ عملی تشکیل دیتا ہے۔ترجمے کا قدیم انداز زبانِ ہدف کی اصل ہیئت بحال رکھنے کا تھا۔مترجمین صرف اسلوبیاتی خصائص کو ازسرِنو پیدا کرنے میں مسرت محسوس کرتے تھے۔ E.A.Nida اور C.R. Taber نے درجِ ذیل اسلوبیاتی خصائص کا تعین کیا ہے:

''Rhythms, rhymes, playson Words, Chiasms, parallelism an unusual grammatical structures''4

ہر زبان کی امتیازی خصوصیات سے آگاہی:

ترجمے کے نئے انداز میں دورانِ ترجمہ اسلوبیاتی خصائص کی بحالی کے برعکس قاری کی تفہیم کو مدِّنظر رکھا جاتا ہے۔یعنی ایسا ترجمہ جو علماء وفضلا کے ساتھ ساتھ عام قاری کے ذہنی معیار کے مطابق ہو۔ہر زبان کی امتیازی خصوصیات سے آگاہی مترجم کے لیے بے حد اہم ہے۔یہ امتیازی خصوصیات کسی زبان کا مخصوص کردار متعین کرتی ہیں۔بدقسمتی سے بیش تر مترجمین کسی زبان کی ازسرِنو تشکیل کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً اگر کسی زبان میں فعل کے Voice Passive نہیں ہیں تو مترجم کو یہ بات قبول کر لینی چاہیے کہ دنیا میں بہت سی زبانوں میں فعل کے VoicePassive نہیں ہوتے۔اس طرح ایک زبان کے ڈھانچے کو دوسری زبان کے ڈھانچے پر مسلط کرنا غلط

ہے۔اچھا مترجم مطلوبہ مواد کی دوسری زبان میں منتقلی کے عمل میں نئی ہئی تیں وضع کرتا ہے جو بات ایک زبان میں کہی جاسکتی ہے وہ دوسری زبان میں ترجمہ بھی ہوسکتی ہے بہ شرط یہ کہ ہیئت لازم وملزوم جزو نہ ہو؛ ایسا شعری تراجم میں ہوتا ہے۔نثری تراجم بالخصوص افسانوی تراجم میں محاورات اور ضرب الامثال کی بعینہ ؟ منتقلی جزوِلازم نہیں۔انھیں ترجمہ کر کے یا پھر اُن کا مفہوم ادا کر کے مطلب واضح کیا جاسکتا ہے۔

دورانِ ترجمہ ادبی خوبیوں کی تمسیخ:

دوران ترجمہ ہیئت کی تبدیلی کی ناگزیت کے حوالے سے بیش تر ناقدین کا خیال ہے کہ اگر ہیئت نہ بدلے تو ترجمہ اپنے فنی مقام و مرتبے تک نہیں پہنچتا۔شعری ترجمے میں تبدیلیِ ہیئت کی ناگزیریت قابلِ قبول عنصر نہیں ہے۔فن کار کی تخلیقی صلاحیت ، ریاضت ، فنی پختگی اور افتادِطبع کی بدولت اچھے تراجم ممکن ہیں۔تاہم اس ریاضت،فنی پختگی اور تخلیقی صلاحیت کے حامل فن کار شاذ ہی دکھائی دیتے ہیں۔بیش تر ناقدینِ ترجمہ کی اکثریت مترجم کی اس ناکامی کو اُبھارتی ہے کہ ترجمے میں ادبی اور فنی خوبیاں مسخ ہوجاتی ہیں۔ Eoyang Eugene نے اپنے مضمون ''lose I OriginaltheinSomething''میں ترجمے کو ادبی تخلیق کی اہم قسم قرار دیا ہے:

> ''Translation does not afford the freedom of originalcomposition,which make it more confining; but thatvery restriction provides a focus, a point of concentration, that often prompts amoreefficient imagination''5

ناقابلِ ترجمہ متون اور اصل سے انحراف:

وہ کام جو ایک زمانے میں ناقابلِ ترجمہ نظر آتے تھے۔اب ترجمہ ہو چکے ہیں۔جرمن رومانی نغمے ایک وقت میں فرانسیسی زبان میں ناقابلِ ترجمہ محسوس ہوتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے۔مستند/ثقہ ترجمہ نگاروں کے فن نے درجنوں ترجمہ نگاروں کو انھیں خطوط پر چلنے کی دعوت دی ہے۔کیا چیز ناقابلِ ترجمہ ہے۔ترجمے کی مشکلات میں یہ بھی شامل ہے۔یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا چیز ناقابلِ ترجمہ ہے۔ترجمے کا انحصار فن کار کی تخلیقی صلاحیت پر ہے۔تخلیق اور ترجمے کا باہمی دائرۂ عمل بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ لفظ کے اندازِ تعبیر کے معاملے میں یہ مختلف ہے،اس لیے کہ دو زبانوں کی ساخت ہمیشہ مختلف ہوتی ہے۔کسی رومانی ناول کے ترجمے کیلیے (جو متعدد زاویوں کا حامل ہوسکتا ہے) مترجم کو اصل سے انحراف کرنا پڑتا ہے۔

تلازمہ،لفظی اور اشکالِ ترجمہ:

لفظوں کا ایک اور پہلوان کا مخصوص تلازمہ ہے۔یہی تلازمہ نا قابلِ ترجمہ ہے یا دورانِ ترجمہ مشکلات کا باعث بنتا ہے بالخصوص اُس وقت جب اُسے تاریخی یا قومی حوالے سے استعمال کیا جائے۔ایک ہی زبان میں ثقافت،تاریخ،قومی روایات اور جذبات کا اختلاف مزید مشکلات پیدا کرتا ہے۔Etkind Efim اپنے مضمون ''What is Untranslatable''میں لکھتا ہے:

> ''Every language contains numerous untranslatable elements, for one thing all the exotica or the none-equivalent vocablary (alienisma)-Different authors represent different examples of that sort of vocablary with regard to meals, money, clothes, houses and measures''6

غائر دیکھیں تو ایسے نا قابلِ ترجمہ عناصر نا قابلِ ترجمہ متون کے حق میں کوئی دلیل نہیں رکھتے۔اس لیے کہ متن کی معنوی وحدت ایک زاویے کی پیشکش کرتی ہے۔اس زاویے کو چھوٹا بڑا کرنے سے اصل متن کے متوازی ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔

عمومیت پسندی اور مسطحیت:

دورانِ ترجمہ مترجم مشکل مقامات سے انحراف کرتے ہوئے ترجمے کو مسطح و ہم وار بنانے کی کوشش کرتا ہے۔اس عمل میں اصل قابلِ ترجمہ مواد نظر انداز ہوجاتا ہے۔جب کہ دیگر مواد ترجمہ ہوجاتا ہے۔اچھا مترجم اصل قابلِ ترجمہ مواد کو نظر انداز نہیں کرتا تاہم ایسا کرنا بے حد دشوار عمل ہے۔Novykova Mariya اپنے مضمون میں لکھتی ہیں:

> ''Of course, this is much more difficult. But heed the joke it is the untranslatable that is actual worth translating''7

نا قابلِ ترجمہ عناصر (جو دراصل قابلِ ترجمہ ہیں) کے حوالے سے عمومیت پسندی (Normalization) اور مسطحیت (Leveling) نامی دو اصطلاحات ہمارے سامنے آتی ہیں۔

عمومیت پسندی:

تمام ادبی تراجم میں عمومیت پسندی سب سے اہم مسئلہ ہے۔عمومیت پسندی سے مراد یہ ہے کہ دورانِ ترجمہ مترجم زبانِ ہدف کے مشکل مقامات سے اس طور صرفِ نظر کرے جیسے ماہر درزی کٹائی کے دوران کپڑے کے کناروں کو ہم وار بناتا ہے۔بعینہ مترجم متن کو ہم وار اور رواں دواں بنانے کے لیے اس کے ابہامات اور تشکیک کو اپنے زاویے سے پُر کرتا ہے کیوں کہ اُس نے اُن سطحوں کو تراش کر نکال دیا ہوتا ہے جس نے متن کی اصل صورت کو بحال رکھنا تھا۔ایسا عمل کم از کم ترجمے کے فن سے وفاداری نہیں ہے۔دورانِ ترجمہ مترجم کو اپنی ذات اور تخلیقی عمل سے وفاداری کا عہد برقرار رکھنا چاہیے،بہ صورتِ دیگر ناقص تراجم وجود میں آتے ہیں۔

مسطحیت:

مسطحیت سے مراد یہ ہے کہ دورانِ ترجمہ مترجم متن کے مشکل مقامات کو اس حد تک نظرانداز کرتا ہے کہ ترجمہ اصل تحریر سے دور جا پڑتا ہے۔وہ اپنے ذاتی تجربے کی بناء[ا] پر متن کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ذات سے میل کھانے والے تاثرات کو رقم کرنے میں عافیت جانتا ہے۔مسطحیت پسند مترجم اپنی ذات سے وفاداری نبھاتا ہے۔وہ متن کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور مصنف کے خیالات کو اپنے زاویہ ہائے نگاہ سے پرکھتا ہے۔ایسا کرتے ہوئے وہ حال اور مستقبل کے قارئین کو بھی نظرانداز کرتا ہے۔مسطحیت ثقافتی،اسلوبیاتی اور نظریاتی تین حوالوں سے سامنے آتی ہے۔

ثقافتی مسطحیت:

ثقافتی مسطحیت کا جائزہ لیں تو کسی بھی افسانوی متن کا ترجمہ ایک ثقافت کا ترجمہ کہلاتا ہے۔ثقافت کی منتقلی میں زبانِ ہدف اور زبانِ منبع کی ثقافتوں کے بہترین مترادفات (جو معانی کا مکمل ابلاغ کریں) اور خیالات کی کھوج مترجم کا کام ہے لیکن مترجم بالعموم اس کھکھیڑ سے گزرنا پسند نہیں کرتے اور زبانِ منبع کے ایسے مقامات کو خالی چھوڑ دیتے ہیں جس کے سبب ایک زبان کی ثقافت دوسری زبان میں منتقل نہیں ہو پاتی۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''اپنی بات ہو تو آدمی جس طرح چاہے اس کا اظہار کر دے لیکن ترجمہ میں آدمی بندھ کر رہ جاتا ہے۔مصنف کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور ہوتی ہے۔اگر اس نے گرفت سے نکلنے کی کوشش کی تو اصل سے دور ہو جاتا ہے اس کے بالکل مطابق رہنے کی کوشش کی تو بیان میں اجنبیت در آتی ہے۔جملوں کو توڑ کر اپنے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی تو اس کی زبان بیان واظہار کے نئے امکانات سے محروم ہو جاتی ہے۔ایسے میں مترجم کا کام یہ ہے کہ دوسری زبان کے اظہار کو اپنی

زبان کے اظہار سے قریب تر لائے اور مصنف کے لہجے اور طرزِ ادا سے اپنی زبان میں ایک نئے اسلوب کے لیے راہ ہموار کرے۔''(۸)

اسلوبیاتی مسطحیت:

اسلوبیاتی مسطحیت (Stylistic leveling) کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ مترجم آزادیِ مصنف کا ہمیشہ احساس نہیں کرتا۔ مصنف تاریخی یا نظریاتی اہمیت کے حامل نایاب الفاظ استعمال کرتا ہے اور مترجم انھیں بے حسی سے ردّ کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔ ایسا مصنف اور مترجم کے ذخیرہ؟ الفاظ کے مابین حائل فرق کے باعث ہوتا ہے۔ پھر ہیئت اور مواد میں عدم مطابقت اسلوبیاتی مسطحیت کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔ مزید یہ کہ مصنف کی جان دار آواز کو نظرانداز کرتے ہوئے مترجم ایسا متن پیش کرتا ہے جو اصل کے لہجے سے واضح تضادات کا حامل ہوتا ہے۔

نظریاتی مسطحیت:

نظریاتی مسطحیت (Ideological leveling) متن میں ضرورت سے زیادہ نظریات و خیالات کی پیش کش یا پھر اُن میں حائل خلا ہے۔ مصنف جو خیال پیش کرتا ہے اُسی سے ملتا جلتا خیال پیش کرنا نظریاتی مسطحیت شمار ہوتا ہے۔ اچھا مترجم متن کی اصل آواز کو گہرائی سے سُنتا اور محسوس کرتا ہے اور پھر اُسے دوسری زبان کے جامے میں پیش کرتا ہے۔

بنیادی قابلِ ترجمہ زبان:

فنِ ترجمہ ایک ایسا عمل ہے جو ایک زبان سے دوسری اور دوسری سے تیسری اور پھر اَن گنت زبانوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مذہبیات کے دائرے میں اس ضمن میں قرآنِ پاک اور انجیل کے مختلف زبانوں میں تراجم کی مثال دی جاسکتی ہے۔ قرآنِ پاک کے عربی زبان سے اردو، فارسی، انگریزی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں تراجم ہوئے ہیں۔ اس سارے عمل میں عربی زبان بنیادی قابلِ ترجمہ زبان کہلائے گی جب کہ اردو، فارسی، اور انگریزی وغیرہ ثانوی زبانیں کہلائیں گی۔ اسی طرح انجیل کے متن میں بنیادی زبانیں یونانی اور عبرانی ہیں جب کہ ثانوی زبانیں انگریزی، فرانسیسی اور ہسپانوی وغیرہ ہیں۔ اس لیے مترجمین نے یہ اصول بنایا کہ متن خواہ کسی بھی زبان سے ترجمہ ہو مترجم متن سے وہی مفاہیم اخذ کرے گا جو مصنف کے پیشِ نظر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ ایک خاص مدت گزرنے کے بعد اپنا تاثر کھونے لگتا ہے، کیوں کہ کسی بھی زبان کے الفاظ و محاورات کے معانی بتدریج تبدیل ہوتے جاتے ہیں۔ اس طرح ترجمہ ایک مسلسل عمل کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ہر دور میں اپنے ہونے کا جواز تلاش کر لیتا

ہے۔الفاظ وتراکیب کے معانی کی تبدیلی زمانے کے نئے رجحانات کے مطابق نئے ترجمے کا جواز بنتی ہے۔

کنگ جیمز نے پادری بینکرافٹ کی مدد سے مترجمین کے لیے پندرہ قوانین مرتب کیے۔یہ قوانین اگرچہ انجیل کے ترجمے کے بنیادی اصول اور مشکلات پر مبنی ہیں تاہم ان کا اطلاق فنِ ترجمہ کے عمومی پہلوؤں پر بھی کیا جاسکتا ہے۔M.Kitagaki نے ان قوانین کا خلاصہ تین نکات میں بیان کیا ہے:

> "(1)The new version should be a revision and not a new translation.
>
> (2) Tradition should be strictly kept and doctrinal tendentiousness should be checked.
>
> (3) accuracy should be achieved through a multiple checksystem within and among committees."9

اچھا ترجمہ بالعموم اصل سے طویل ہوتا ہے۔اکثر ناقدینِ ادب اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اچھے تراجم بالعموم اصل سے طویل ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام طویل تراجم اچھے بھی ہوں۔نثری تراجم بالخصوص افسانوی تراجم میں طوالت کا سبب تحریر کے پس منظر اور مفہوم سے قاری کی آشنائی کروانا بھی ہے۔

استعدادی راستہ:

استعدادی راستہ (Capacity Channel) دراصل دو زبانوں کے مابین ذخیرۂ الفاظ، الفاظ و تراکیب، محاورات، تہذیب وثقافت کے تال میل کی پیش کش کی گنجائش کو ظاہر کرتا ہے۔دومختلف لسانی خاندان کی حامل زبانوں میں ترجمے کا عمل دشوارتر ہوجاتا ہے جب کہ ایک ہی لسانی خاندان کی زبانوں میں ثقافتی اشتراک کے سبب ترجمہ قدرے سہل ہوتا ہے۔اس کی مثال فارسی سے اردو اور اردو سے فارسی اور انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے بہ آسانی سمجھی جاسکتی ہے۔پہلی صورت میں ترجمہ قدرے آسان ہے جب کہ دوسری صورت میں ایک مشّاق مترجم کے فرائض سے عہدہ برآ ہوئے بغیر اصل کا حُسن پیدا کرنا حقیقی چیلنج ہے۔محمد حسن عسکری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ’’ہر زبان کی ایک روح، ایک شخصیت کی تشکیل کرنے والی قوتیں اتنی زیادہ ہیں کہ آسانی سے ان کے نام بھی نہیں گنے جاسکتے۔جغرافیائی حالات نسلی مزاج، اس زبان کے بولنے والوں کی تاریخ، ان کا مذہب، ان کے معتقدات پھر عناصر کا دوسرے پر عمل ردِعمل یہ موٹی موٹی باتیں ہوئیں۔ان

کے علاوہ جو چیزیں کسی زبان کا مخصوص ذائقہ متعین کرتی ہیں انھیں کیا نام دیا جائے۔''(۱۰)

عسکری نے مثال میں میر کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

فقیرا نہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

عسکری کے بقول اس شعر کا پہلا مصرع تو کسی نہ کسی طرح ترجمہ ہو جائے گا مگر ''میاں'' کا مطلب انگریزی زبان میں منتقل کرنا ناممکن ہے۔ پھر لفظ ''میاں'' کا معنوی لہجہ اپنے اندر اتنے تنوع رکھتا ہے کہ اسے دوستی، بھائی، خودکلامی وخودفریبی کے معانی میں سے کسی ایک میں استعمال کرنا شعر کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

''ہر رشتے کے جو کچھ ثانوی مرکبات ہوتے ہیں ان کے ترکیبی اجزاء ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہیں سے وہ چیز پیدا ہوتی ہے جسے ہم کسی زبان کی روح یا شخصیت کہتے ہیں اور اسی لیے ہر زبان کے اسالیبِ بیان اور ذخیرہ؟ الفاظ کا ایک حصہ کچھ اس قسم کا ہوتا ہے جسے کسی دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جا سکتا یا کم سے کم ترجمہ کرتے ہوئے دشواری پیش آتی ہے۔''(۱۱)

عسکری نے جس جانب توجہ دلائی ہے وہ استعدادی راستہ ہے۔ دو مختلف لسانی خاندانوں کی حامل زبانیں جب ثقافتی اختلاف کی حامل بھی ہوں تو مترجم کے لیے دورانِ ترجمہ دشواری کا درآنا یقینی امر ہے۔

ترجمے کا مزاج:

ترجمے کا اپنا مخصوص مزاج ہوتا ہے۔ شعری، نثری اور سائنسی تراجم میں ترجمے کے بنیادی اصول یکساں رہیں گے مگر نوعیت میں فرق کے سبب ترجمے کا انداز مختلف ہوگا۔ شاعر شاعری کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنی فطری پسند سے ہیئت منتخب کرے گا۔ نثر میں ترجمے کا انداز نثری ترجمہ نگار کے مزاج کے مطابق ہوگا۔ اسی طرح سائنسی لوازمات کے تراجم قطعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان تراجم میں معلومات دوٹوک اور قطعیت کی حامل ہوتی ہیں جب کہ نثری بالخصوص افسانوی تراجم میں لفظی حسنِ بیان اور معنویت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

ترجمہ جس نوعیت کا بھی ہو اُس کا مقصد:

* معانی کی ازسرِ نو تخلیق ہے۔
* اصل اور ترجمے میں مطابقت کا عنصر پیدا کرنا ہے۔
* قریب ترین اور فطری معانی کا ابلاغ کرنا ہے۔
* لفظی ہم آہنگی کی بجائے متنی ہم آہنگی کو اوّلیت دینا ہے۔

* ترجمے میں معانی وابلاغ کواوّلیت حاصل ہے۔
* شعری ونثری تراجم میں اسلوب کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

افسانوی تراجم:

اردو میں افسانوی ادب بالخصوص ناول نگاری کا عہد علی گڑھ تحریک کی دین ہے۔علی گڑھ تحریک کے آغاز سے قبل اردو ادب میں ترجمہ نویسی کی جس روایت نے جنم لیا اس نے اردو ناول کے تراجم کو ہوا دی۔ اردو ناولوں کے دست یاب تراجم میں ''تواریخِ راسلس'' ۱۸۳۴ء میں پہلی بار اشاعت پذیر ہوا۔ یہ ناول سید کمال الدین حیدر کی مساعیِ جمیلہ کا مرہونِ منت ہے۔انھوں نے انگریزی کے مشہور ناول نگار سیموئل جانسن کے ناول 'HistoryThe ofAbisiniaofprinceRasselasof '' کا ترجمہ ''تواریخِ راسلس'' کے عنوان سے کیا۔اس طرح یہ اردو ناول کے ترجمے کی تاریخ میں پہلا پتھر ثابت ہوا۔ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے مغرب کے معروف ناول نگاروں کا ذکر الف بائی ترتیب سے کرتے ہوئے خطوطِ وحدانی میں اُن کے مترجمین کے ناموں کا ذکر بھی کیا ہے۔12 اس تفصیل سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے بڑے بڑے ادیبوں نے ناولوں کے تراجم کیے۔ان میں اشفاق احمد، انتظار حسین، محمد حسن عسکری، عبدالحلیم شرر، سعادت حسن منٹو اور قرۃ العین حیدر جیسے قد آور ادیب بھی شامل ہیں۔ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''تخلیقی ترجمے کی مثالیں دیکھنی ہوں تو محمد حسن عسکری، قراۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے تراجم دیکھیے۔عسکری صاحب نے فلابیر، استندال اور میل ول کو، قراۃ العین حیدر نے ہنری جیمس کو اور انتظار حسین نے ترگنیف کو اردو میں اس طرح سمویا ہے کہ اردو افسانوی ادب کی فضا ان مختلف رنگوں سے نکھر گئی ہے۔مختلف تہذیبوں کا روحانی تحرک، کرب وانبساط کی ساعتیں، فقروں کے مختلف آہنگ اور اسالیب کا تنوع، یہ سب اردو کے پیکر میں ڈھل کر اردو افسانوی ادب کے حدود میں مزید وسعتوں کا سبب بنتے ہیں۔اسی ذیل میں حالیہ مثال نوجوان افسانہ نگار آصف فرخی کے ترجمے کی ہے۔ ہرمن ہے کہ ناول سدھارتا کا ترجمہ کرتے ہوئے انھوں نے تخلیقی ترجمے کی تمام شرائط کو پورا کیا ہے۔''(۱۳)

افسانوی ترجمے کی مشکلات اور اُن کے حل کے حوالے سے عملی صورتِ حال جاننے کے لیے مترجمین کے ان مشاہدات کا علم بے حد ضروری ہے جو انھیں دورانِ ترجمہ پیش آئے۔محمد حسن عسکری کا مضمون ''گرترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے'' اس ضمن میں لائقِ تحسین ہے۔عسکری نے افسانوی ترجمے کی مشکلات کا عملی تجزیہ پیش کیا ہے۔اُن کے مشاہدات چند اقتباسات کی صورت میں درجِ ذیل ہیں:

''یوں کرنے کوتو میں نے 'مادام بواری' کا ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس ناول میں ایک ٹکڑا ہے جس میں ہیروئن کی چھتری پر برف گرنے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ اگر اردو کے سارے ادیب مل کر یا آٹھ دس سطروں کو اس طرح ترجمہ کر دیں کہ اصل کا حُسن ویسا کا ویسا ہی رہے تو اس دن سے میں اردو کے علاوہ کسی اور زبان کی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔'' (۱۴)

گستاؤ فلابیر کے ''مادام بواری'' کے ترجمے ہی کے ضمن میں وہ مزید لکھتے ہیں:

''......لوگوں نے شکایت کی کہ ترجمے کے پہلے صفحے کی عبارت گنجلک ہے۔ مجھے خوشی تو جب ہوتی کہ کوئی صاحب اس جملے کا اوراچھا ترجمہ کر کے مجھے بھیجتے جسے میں کسی رسالے میں شائع کراتا کہ اردو نثر کے ایک مسئلے کا کچھ تو حل نظر آیا۔ جملوں کے آہنگ یا پیراگراف کی تعمیر کا معاملہ تو اتنا سخت تھا کہ میں نے بھاری پتھر سمجھا اور چوم کے چھوڑ دیا۔'' (۱۵)

''......استاں دال کے پیچھے ڈیڑھ سو سال کی وہ فرانسیسی روایت ہے جو (Maxims) لکھنے والوں نے پیدا کی تھی، استاں دال کی نثر کے پیچھے سے جگہ جگہ روش فو کو بول اُٹھتا ہے۔ اب بتایئے اس خوبی کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے میں ایسی روایت کہاں سے لاتا؟ نیاز فتح پوری کی زبان میں اس کا ترجمہ کرتا یا میر امن کی زبان میں؟......'' (۱۶)

''ہمارے نقاد بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ مغربی ادب میں جتنی اچھی باتیں تھیں وہ سب ہم نے سیکھ لیں اور ہمارا ادب مغربی ادب کے برابر ہو گیا، لیکن آپ کسی مغربی کتاب کا ترجمہ کرنے بیٹھیں تو پانچ منٹ میں حقیقت کھل جاتی ہے۔ بشرطیکہ آپ یہ جانتے ہوں کہ مصنف لکھتا کس طرح ہے۔ پھر اوپر سے مشکل یہ ہے کہ آپ ترجمہ کے مسائل سمجھ بھی لیں اور ان کا کوئی نہ کوئی حل بھی تلاش کرنا چاہیں تو اردو تنقید راستہ روک لیتی ہے، وہ اس طرح کہ اردو زبان میں ترجموں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ پبلشر صرف وہی کتاب چھاپتے ہیں جو بک سکیں۔ ادھر کتابیں خریدنے والوں کے ذہن کو اردو تنقید نے کمزور کر رکھا ہے۔ اب اگر آپ ترجمے کو تخلیق بنانا چاہیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟'' (۱۷)

افسانوی ترجمے کی مشکلات اور اُن کے حل کی عملی صورتِ حال:

افسانوی ترجمہ نگاری کی مشکلات میں سادگی وسلاست کو رواج دینے سے ہم اشکال پسندی سے بچ سکتے ہیں۔ جہاں انگریزی فقرہ پیچیدہ اور طویل ہو اسے سادہ فقروں میں تقسیم کر دیں۔ اس عمل میں لغت مترجم کا سب سے

بڑا ہتھیار ہے۔ اسے حرزِ جان بنا کر رکھنا چاہیے اور کبھی اردو و انگریزی داں ہونے کے زعم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ عین ممکن ہے کہ لغت کی مدد سے کوئی موزوں، نفیس اور عمدہ لفظ مل جائے جو فقرے میں جان ڈال دے۔(۱۸)

ایسا نہیں ہے کہ افسانوی ادب کا یا دیگر اصنافِ ادب کا اچھا ترجمہ ممکن نہ ہو۔ ماہر مترجمین نے اردو ادب کو شاہ کار تراجم سے نوازا ہے۔ کشور ناہید نے بپسی سدھوا کے ناول ''BrideThe'' کا ترجمہ 'زیتون' کے نام سے کیا ہے۔ عنوان کی معنویت کا بیان ایک طرف، اس ناول کا ایک اقتباس بطور مثال دیکھیے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ کشور ناہید نے متن سے وفاداری نبھانے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے فنّی حسن کو بحال رکھا ہے:

> ''She is nearly half waydownthe bridgewhen some instinct makes her grip the railing.The steel feels like ice. She stands still and there is a slight vibration, as of someone moving as stealthily as she herself. She whips around scanning the shadows and the vibration ceases,but she knows she is not alone.''

> ''ابھی وہ پل کے آدھے راستے پر ہے کہ اس کے اندر گھنٹی بجتی ہے اور وہ پل کی ریلنگ کو مضبوطی سے پکڑ لیتی ہے۔ لوہا بالکل برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔ وہ دم بخود کھڑی ہے اور اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ چوری چوری وہ آگے بڑھ رہی ہے ایسے ہی چوری چوری کوئی اور بھی آگے آ رہا ہے۔ وہ مڑ کر سائے کو جانچنا چاہتی ہے مگر اب کچھ بھی ہلتا نظر نہیں آ رہا مگر وہ جانتی ہے کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔''(۱۹)

مذکورہ ترجمہ ترجمانی کی حدود میں داخل ہے۔ نہ تو یہ اصل سے طویل ہے اور نہ ہی مواد و اسلوب میں اصل سے انحراف دکھائی دیتا ہے۔ یہاں دونوں زبانوں کے تمام امکانات برابر جلوہ گر دکھائی دے رہے ہیں۔ کچھ ایسا ہی تاثر ایک اور مثال کے ذریعے مزید واضح ہوتا ہے۔

افسانوی ادب کے ترجمے میں ایک گم نام ادیب کا ذکر راقمہ کے لیے ناگزیر ہے۔ جس کے ترجمے کی مہارت اور فنی پختگی اپنی جگہ قابلِ داد ہے۔ پروفیسر ایمریطس، خواجہ محمد زکریا صاحب نے انھیں اردو ادب میں فنِ ترجمہ پر مہارت کی بناء پر کوہ پیکر شخصیت قرار دیا ہے۔ یہ گم نام ادیب لالۂ صحرائی ہیں جنھوں نے ایرخ ماریہ کے جرمن زبان کے معرکۃ الآراء ناول کے انگریزی ترجمے ''All Quiet on the Western Front'' (مترجمہ:

اے۔ڈبلیو۔وہین) کا ترجمہ ''خموش محاذ'' (۸/ جون ۱۹۴۳ء) کے عنوان سے کیا۔ یہ ترجمہ اب زیورِ طباعت کے مراحل میں ہے۔ناول کا آغاز ہی آپ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ہر دوز بانوں سے اقتباس دیکھیے:

> ''Eachmanhasanothermesstinfullfortheevening;and what is more, there is a double ration of sausage and bread.That putsa manin fine trim. We have not had such luck as this for a long time. The cook with his carroty head is begging us to eat; he beckons with his ladle to everyone that passes and spoons him out a great dollop. He does not see howhe can empty his stew pot in time for coffee''20

> ''ان دنوں ہر ایک کے پاس ایک ایک وقت کا کھانا بچا رہتا اور پھر یہ کہ خشک گوشت اور چپاتیوں کا دگنا راشن ملتا۔ یہ سب کچھ ایک سپاہی کے لیے کافی باعثِ مسرت تھا۔ ہماری سیہ بختی بڑی مدت کے بعد چمکی تھی اور گاجر کے سے مخروطی سر والا باورچی کھانا کھا لینے کے لیے ہماری منتیں کرتا رہتا، بیچارا دن بھر دیگچے کے پاس بیٹھا کفگیر ہلا ہلا کر اشارے کرتا رہتا۔اس غریب کے لیے سب سے زیادہ پریشانی یہی ہوتی کہ وہ قورمے سے بھرے ہوئے دیگچوں کو قہوے کے لیے کیسے خالی کرے۔''(۲۱)

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس اور اُس کا ترجمہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر ترجمہ نگار ماہر ہو تو اچھے تراجم کا وجود ممکن ہے۔کافی کے لیے قہوے کا متبادل اور بریڈ کے لیے چپاتی کے الفاظ تو موزوں تھے ہی'' گاجر کے سے مخروطی سر والا باورچی'' جیسے الفاظ نہ صرف گاجر جیسے سر کو واضح کرتے ہیں بلکہ مخروطی کا اضافہ گاجر کی ہیئت کو بھی نظروں کے سامنے لے آتا ہے۔اسی طرح سٹیو کو قورمہ لکھنا بہترین ترجمانی ہے۔

ماحصل:

بحیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو افسانوی ادب کے ترجمے کی مشکلات زیادہ تر مترجم کی نااہلی، تنگ نظری اور محدود ذخیرہ؟ الفاظ کے باعث پیدا ہوتی ہیں جب کہ دیگر مشکلات کسی متن کی اسلوبیاتی و ہیئتی تکنیکوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ایسی صورت میں مفاہیم کی موزوں منتقلی مترجم کا وتیرہ ہونا چاہیے نہ کہ الفاظ و محاورات اور تراکیب کی

منتقلی۔اُسے مصنف کے تاثر سے دل چسپی ہوگی تو مفہوم خود بخود منتقل ہونے لگے گا،گویا ترجمے کے اصولوں کا عملی اطلاق اہمیت رکھتا ہے۔مترجم اپنی ذات کی بجائے متن اور مصنفِ متن کے نظریات سے وفادار رہے اور زبانِ منبع و زبانِ ہدف پر گہری فکری،نظری،اسلوبیاتی اور ثقافتی گرفت رکھے تو ایسی صورت میں شاہ کار تراجم منصۂ شہود پر آسکتے ہیں۔افسانوی مترجم کا کام بالخصوص دو زبانوں اور دو ثقافتوں کے مابین ایک پل کی مانند ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ ایک زبان کے جواہر دوسری زبان میں منتقل کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔اس طرح یہ عمل مختلف زبانوں کے مابین جاری وساری رہتا ہے۔عمیق نظری اور علمِ لسانیات کے امکانات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے فنِ ترجمہ کی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

حواشی:

۱۔ مظفرعلی سیّد،''فن ترجمہ کے اصولی مباحث''،مشمولہ''اردو زبان میں ترجمے کے مسائل''۔روداد سیمینار مرتبہ:اعجاز راہی،(اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۵ء)،ص:۴۱

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

4- Nida,E.A.and taber.C.R.''The theory and practice of Translation,''Leiden :E.J.Brill,1969 P.1.

5- Eoyang Eugene,''I lose Something in the Original''included in ''translation of Poetry and Poetic Prose''proceeding of Noble symposium 110, (edited by)Sture Allen, Singapore:World scientific publishingCo.Pvt,1999,P.297.

6 - Etkind Efim,''what is Untranslatable ''included in''Translation of Poetry and Poetic Prose''P.346.

7- Novykora Mariya,''Double tongue:Translating texts orContexts? '' included in''Translation of Poetry and Poetic Prose''. P.166.

۸۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،ترجمے کے مسائل،مشمولہ''ترجمہ کا فن اور روایت''،مرتب:ڈاکٹر قمر رئیس (کراچی:سٹی بک پوائنٹ،۲۰۱۶ء)،ص:۸۲

9- Kitagaki.M,''PrinciplesandproblemsoftranslationinSeventeenth Century England'',Kyoto: Japan Muncharu Kitagaki.1981, P.51,52.

۱۰۔ عسکری، محمد حسن''زبان کی شخصیت اور مزاج''، مشمولہ ''مقالاتِ حسن عسکری، جلد دوم، مرتبہ: شیما مجید، (لاہور:علم وعرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء)، ص: ۲۰۷

۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۰۹

۱۲ حامد بیگ، مرزا، ڈاکٹر، ''ترجمے کا فن''، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ص: ۴۵، ۴۶

۱۳ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، ''افسانوی ادب کے تراجم۔مسائل اور مشکلات''، مشمولہ ''اردو زبان میں ترجمے کے مسائل''، روداد سیمینار۔ص: ۲۰۲

۱۴۔ عسکری، محمد حسن، ''ستارہ یا بادبان''، کراچی: مکتبہ سات رنگ، ۱۹۶۲ء، ص: ۱۴۶

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۹

۱۶۔ عسکری، محمد حسن، ''ستارہ یا بادبان''، ۱۹۶۲ء، ص: ۱۵۰

۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۴۶۔۱۴۷

۱۸۔ عبدالمجید سالک، ''ترجمہ کے چند اہم پہلو''، مشمولہ ''ترجمہ: روایت اور فن'' (مرتبہ: نثار احمد قریشی)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص: ۱۳۴

۱۹۔ بحوالہ، خالد محمود خان، ''فنِ ترجمہ نگاری، نظریات'' (لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء)، ص: ۱۱۸۔۱۲۰

20. Wheen-A.W.AllQuietontheWesternFront)''engtran(,England: little,Brownandcompany,1929,P.2.

۲۱۔ لالہ صحرائی، ''خموش محاذ''، غیر مطبوعہ، مخزونہ فرزند لالہ صحرائی ڈاکٹر جاوید احمد صادق، ص: ۱